© rasailojaraid.com

حضرت مخدوم سیّد علی ہجویریؒ

حافظ عباد اللہ فاروقی

آپ کا اسمِ گرامی ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الجلابی ہے۔ وطنِ عزیز غزنی تھا، ہجویر اور جلّاب غزنی کے دو مشہور محلّے تھے۔ جلّابی محلہ میں حضرت کے دادا اور ہجویری محلہ میں آپ کی والدہ رہائش پذیر تھیں۔ چونکہ ان دونوں محلّوں میں مختلف اوقات میں آپ قیام پذیر رہے اس لئے یہ دونوں محلّے آپ کے نام کے ساتھ ہی مشہور ہو گئے۔

آپ سیّد حسنی ہیں۔ شجرۂ طیبہ اکثر تذکروں میں حسب ذیل ہے۔

مخدوم سید علی ہجویریؒ بن سید علیؒ بن عبدالرحمٰنؒ بن سید عبداللہؒ بن سید ابوالحسنؒ بن سید حسنؒ بن حضرت زید شہیدؒ بن حضرت امام حسنؓ شبیر بن حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے اس لئے نو واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

شجرۂ طریقت

آپ کا سلسلۂ طریقت جنیدیہ فرقہ سے تھا۔ جس کی ابتدا حضرت جنید بغدادیؒ سے ہوئی۔ آپ کے پیرِ طریقت کا نام شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی قدس سرہٗ ہے۔ آپ کا شجرۂ طریقت حسب ذیل واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تک پہنچتا ہے:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت علی ہجویریؒ مرید خواجہ ابوالفضل بن حسن ختلی جو شیخ ابوالحسن حصر مکیؒ کے مرید تھے۔ ابوالحسن حصر مکیؒ حضرت شیخ ابوبکر شبلی کے مرید تھے۔ اور وہ خادم سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے تھے۔ حضرت جنید بغدادی حضرت سری سقطیؒ کے مرید تھے اور ان کے مرشد حضرت معروف کرخی تھے۔ حضرت معروف کرخی کے مرشد حضرت داؤد طائیؒ تھے۔ ان کے مرشد حضرت حبیب عجمیؒ تھے اور وہ خادم حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے خادم تھے۔

حضرت علی ہجویریؒ اپنے پیر شیخ ابوالفضلؒ کی نسبت فرماتے ہیں:۔

"طریقت میں آپ میرے راہنما ہیں۔ آپ زبردست عالم تفسیر و حدیث تھے۔ تصوّف میں مذہب جنیدیہ پر چلتے تھے، شیخ حصر کے مرید تھے۔ ساٹھ سال عزلتِ صادق کے طور پر کوہساروں میں پھرے۔ اور لوگوں سے اپنے آپ کو چھپایا۔ آیات و براہین کے مالک تھے۔ صوفیوں کے لباس اور ان کی رسوم کے پابند نہ تھے۔ بلکہ اہلِ رسم سے سختی سے پیش آتے تھے۔ میں نے آپ سے زیادہ رُعب و ہیبت والا شخص نہیں دیکھا۔ آپ کا قول ہے۔ اَلدُّنیا یَوْمٌ وَّلَنَا فِیْھَا صَوْمٌ یعنی دنیا ایک دن کی مانند ہے اور اس میں ہمیں روزہ ہے۔ مطلب یہ کہ ہم نہ اس کے کسی حصّہ میں شریک ہیں نہ اس کی محبت میں گرفتار۔ کیونکہ ہم نے اس کی آفتیں دیکھی ہیں اور اس کے حجابوں سے واقف ہو کر اس سے کنارہ کشی کی ہے۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"ایک دن میں اپنے پیرِ طریقت کے ہاتھ دُھلا رہا تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ جب جملہ امور تقدیر سے وابستہ ہیں۔ تو پھر آزادوں کو پیروں کا غلام کیوں بنایا جاتا ہے۔ آپ فرمانے لگے، اے بیٹا، جو کچھ تونے سوچا ہے میں نے سمجھ لیا ہے خدا تعالیٰ جب کسی کو سرفراز کرنا چاہتا ہے تو پہلے اسے توفیقِ توبہ ارزانی فرماتا ہے۔ پھر اسے اپنے کسی دوست کی خدمت میں مشغول کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہ خدمت اس کی سرفرازی کا موجب بنتی ہے۔" بقول خواجہ حافظ شیرازیؒ ؎

کیمیائیست عجب بندگیٔ پیرِ مغاں   خاکِ او گشتم وچندیں درجاتم دادند

تحصیلِ علمِ دین

آپ حصولِ علم کی خاطر کبھی فرغانہ میں جا نکلے۔ کبھی خراسان میں۔ کبھی آذربائیجان میں اور کبھی ماوراءالنہر میں۔ آپ نے وقتاً فوقتاً خواجہ ابوالفضل بن حسن ختلیؒ شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ اور بقول بعض شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ حضرت امام ابوالعباس احمد اشقانیؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ" اندر بعضے علوم استاذِ من بُود۔"

ازدواجی زندگی

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی اور کہاں ہوئی۔ جہاں انہوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے وہاں لکھتے ہیں :-

"میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ خداوند کریم نے مجھے گیارہ برس تک نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا مگر تقدیراً میں ارادہ و خواہش کے بغیر اس فتنے میں پھنس گیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ میں ایک پری صفت کا بن دیکھے عاشق و شیفتہ ہو گیا۔ ایک سال اسی پریشانی اور اضطراب میں مبتلا رہا۔ چنانچہ نزدیک تھا کہ میرا دین وایمان تباہ ہو جائے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کمال لُطف وکرم سے عصمت و عفّت کو میرے قلب کے استعمال کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت و اعانت سے مجھے اس فتنۂ عظیم سے نجات دی۔"

اس عبارت سے بعض لوگوں نے یہ مفہوم بھی لیا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے کبھی شادی نہیں کی۔ چنانچہ **John A. Subhan** رقمطراز ہیں کہ :-

Ali Hajveiri was a great advocate of celibacy for sinfis and himself never married. From a passage in "Kashful Mahjul" it has been inferred that he had a short

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

and the pleasant experience of married life, but the words in question may be taken to refer to his experience of "falling in love" without going to the length of entering the matrimenials State."

مذکورہ بالا سطور سے پادری کی قیاس آرائی درست معلوم نہیں ہوتی۔ یہ تسلیم کہ پادریوں کے نزدیک تجرّد کی زندگی کو مستحسن قرار دیا گیا ہے۔ لیکن واقعات کی رُو سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی ہجویریؒ نے تجرّد کی زندگی بسر کی ہو۔ تاہم یہ بات طے ہے کہ دُوسرا فتنہ یا نکاح جس کے بارے میں آپ نے اشارہ کیا ہے اُس میں آپ مبتلا ہونے سے بچ گئے۔

میاں محمد طفیل صاحب بھی کشف المحجوب کی ترتیب و تلخیص میں اسی غلط فہمی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ۔ آپ چونکہ اپنی عُمر کا بیشتر حصّہ سفر اور مسافرت ہی میں رہے اس لئے آپ سنے شادی نہیں کی بلکہ تجرّد کی زندگی گزاری۔ لیکن تجرّد کے ہلاکت خیز خطرات کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ اللہ عزّ وجل نے گیارہ برس تزویج کی آفت سے بچایا۔ لیکن تقدیر کا لکھا سامنے آیا اور میں بن دیکھے ایک پری صفت کا دِل وجان سے گرویدہ ہُوا اور ایک سال اسی طرح اس میں مستغرق رہا، کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ و برباد ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لُطف و مہربانی سے میرے دل پر عصمت و پاکیزگی کا فیضان فرمایا اور اپنی رحمت سے مجھے اس آفت سے نجات بخشی[2]

نکاح کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص مخلوق میں رہنا چاہے اس کے لئے

---

[1] Sufusion its Sainls and Shrines by John A. Subhan 127

[2] تلخیص و ترتیب کشف المحجوب صنہ ۲۰ مطبوعہ اسلامک پبلیکشنز لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکاح کی شرط ہے، اور اگر بغیر نکاح کے اس کے زنا میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے نکاح فرض ہے۔ لیکن جو مخلوق سے الگ تھلگ رہتا ہو اس کے لئے مجرّد رہنا اچھا ہے تاکہ اس کی وجہ سے کوئی نیک بخت پریشان نہ ہو، اور وہ بھی یکسوئی کے ساتھ خدا کی ملازمت کرسکے۔

آنکہ صحبت اختیار کند با خلق اُو را تزویج شرط باشد و آنکہ عزلت جوید از خلق اُو را تجرید زینت بُود۔[1]

آپ کے کسی ہم عصر اور قریب العہد سوانح نگار نے آپ کی تاریخ ولادت نہیں لکھی جدید دور کے تذکرہ نگاروں نے ۴۰۰ھ متعیّن کی ہے جو غلط ہے، اس میں شبہ نہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت سلطنتِ غزنی کے ایّامِ شباب میں ہوئی اور یہ سلطان محمود غزنوی کے آخری ایّامِ حکومت یا سلطان مسعود غزنوی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ یہ زمانہ غزنوی کی تاریخ کا زرّیں زمانہ شمار ہوتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی اور اُس کے جانشینوں کی فیاضیوں سے غزنی علوم وفنون کا مرکز بن چکا تھا ہر طرف سے علماء وفضلا اِدھر کھنچے چلے آتے تھے۔ ادیب، شاعر اور مؤرّخ اور ماہرینِ علوم وفنون اُن کی داد ودہش سے مالا مال ہو رہے تھے۔ اور اُن کی مُربّیانہ سرپرستی میں تصنیف وتالیف میں مصروف تھے۔ گھر گھر شعر وسخن کے چرچے تھے۔ جابجا علمی محفلیں گرم تھیں۔ مُلک بھر میں علم کی اشاعت کے لئے کوشش جاری تھی۔ مدارس، بیتُ العلوم اور بیت الحکمت قائم ہوچکے تھے۔ جہاں ہر قسم کی پریشانیوں سے آزاد ہوکر بڑے بڑے ماہرین درس وتدریس میں مشغول تھے۔ اُن کی خدمت میں دُور دُور سے علم کے طالب آتے اور اُن کے درس میں شریک ہوکر علمی تشنگی بجھاتے۔ شعر وادب اور علوم وفنون کی ان بزم آرائیوں کے علاوہ مُلک میں کئی رُوحانی مرکز بھی قائم تھے۔ اُن کو خانقاہ یا جماعت خانے کہتے تھے۔ اُن میں رُوحانی دُنیا کے شہنشاہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے ٹوٹے ہوئے رشتے جوڑنے میں مشغول تھے۔ بڑے بڑے امیر وزیر سپہ سالار اور خود بادشاہِ ان

---

[1] کشف المحجوب ص ۲۲۷ مطبوعہ پنجابی پریس لاہور ۱۸۶۳ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آستانوں پر حاضر ہونا سعادت خیال کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے آستانے پر حاضر ہوا اور نذرِ عقیدت پیش کی جس پر شیخ نے یہ دعا دی

ع ”الٰہی عاقبت محمود بادا“!

سیر و سیاحت حضرت علی ہجویری ریاضت جفاکشی حصولِ تجربہ اور حصولِ علم کی خاطر اپنے پیر و مرشد کے ساتھ مختلف ممالک میں پھرتے رہے اور تنہا بھی کئی مقامات پر گئے اور ریاضتِ شاقہ کے عملی سبق حاصل کرتے رہے۔ ہندوستان میں تشریف لانے سے پہلے خراسان۔ ماوراءالنہر، مرو، عراق، آذربائیجان تک سیاحت کی جن کا تذکرہ آپ کی تصنیفات میں پایا جاتا ہے۔

عراق کا ایک واقعہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں کہ عراق میں اپنے قیام کے زمانے میں ایک دفعہ میں دُنیا کمانے اور اسے خرچ کرنے میں بہت دلیر ہوگیا۔ جس کسی کو کوئی ضرورت پیش آتی وہ میری طرف رجوع کرتا، اور میں نہ چاہتا تھا کہ میرے دروازے سے کوئی خالی جائے اس لئے اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتا۔ یہاں تک کہ میں بہت زیادہ مقروض اور اس صورتِ حال سے سخت پریشان ہوگیا۔ آخر وقت کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے مجھے لکھا بیٹا! دیکھو اس قسم کی مشغولیت میں کہیں خُدا سے دُور نہ ہو جاؤ۔ یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے۔ اگر کسی کے دل کو اپنے سے بہتر پاؤ تو اس کی خاطر پریشانی اُٹھاؤ۔ تمام مخلوق کے کفیل بننے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اپنے بندوں کے لئے خدا خود کافی ہے۔ فرماتے ہیں اس نصیحت سے مجھے سکونِ قلب حاصل ہوا۔[1]

تصنیفات سیر و سیاحت کے بعد آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف رجوع کیا اور ایسے ایسے جواہر گرانمایہ اور نکات و رموز ظاہر فرمائے جو حجابِ بشریت کے کاشف اور شرع و تحقیق کے کلمات ثابت ہوئے۔ شہزادہ داراشکوہ سفینۃ الاولیاء

---

[1] کشف المحجوب ترتیب و تلخیص بزبان اردو۔ از میاں محمد طفیل صاحب صد ۳۹ مطبوعہ اسلامک پبلیکشنز لمیٹڈ لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں لکھتے ہیں کہ "حضرت پیر علی ہجویریؒ را تصانیف بسیار است" لیکن آج ان تصانیف کا وجود تو ایک طرف ان کے نام تک کسی تذکرہ میں محفوظ نہیں۔ البتہ خود کشف المحجوب میں مصنف کے حوالوں کو یکجا کرنے سے حسب ذیل تصانیف کا پتہ چلتا ہے (۱) دیوان۔ (۲) منہاج الدین (۳) البیان لاہل العیان (۴) اسرار الخرق —— (۵) کشف الاسرار۔ (۶) الرعایۃ بحقوق اللہ (۷) کشف المحجوب۔

دیوان اور منہاج الدین کی نسبت آپ خود ہی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ کتابیں پڑھنے کے لئے لیں لیکن ان پر اپنا نام لکھ دیا اور قبضہ کر گیا۔ (۳) البیان لاھل العیان یہ کتاب ناپید ہے۔ غالب خیال یہ ہے کہ زیور طبع سے آراستہ ہی نہیں ہوئی۔ (۴) اسرار الخرق —— یہ کتاب شیخ و مرید کے باب میں لکھی گئی ہے (۵) کشف الاسرار۔ یہ مختصر سی کتاب تصوّف و معرفت کے نکات سے مالا مال ہے اس کا اُردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ (۶) الرعایۃ بحقوق اللہ۔ یہ کتاب ان حقوق کی رعایت میں لکھی گئی ہے جو عبد ہونے کی حالت میں ہم پر واجب ہیں۔ یہ کتاب بھی ناپید ہے (۷) کشف المحجوب، عام طور پر ملتی ہے۔ اس میں تصوف و معرفت کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو نظر انداز کیا گیا ہو۔ یہ کتاب گم گشتگانِ راہ کے لئے چراغِ ہدایت ہے۔ مولانا جامیؒ اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:-

> از کتب مشہور کہ دریں فن است و لطائف و حقائق بسیار دراں کتاب جمع کردہ است۔

> شاہزادہ داراشکوہ کے نزدیک فارسی زبان میں تصوّف پر کوئی کتاب کشف المحجوب کے ٹکر کی نہیں۔

سب سے بڑھ کر قابلِ استناد و قابلِ افتخار قول حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ہے فرماتے ہیں:-

> "کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری است اگر کسے را پیرے نباشد چوں ایں کتاب را مطالعہ کند اُو را پیر پیدا شود۔ (فوائد الفواد)

(یعنی جس کا کوئی مرشد نہ ہو وہ کشف المحجوب کا مطالعہ کرے اس کی برکت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے پیر کامل مل جائے گا۔

غرض کشف المحجوب حضرت علی ہجویریؒ کی گراں مایہ تصنیف ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں "ظاہری علم باطنی علم کے بغیر ادھورا ہے۔ بعض اوقات یہ حجاب اکبر کی سی صورت اختیار کر جاتا ہے اس لئے دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ علم ظاہر سے مُراد معاملات کا علم ہے۔ علم باطن کا مقصد نیّت کا درست کرنا ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ ان دونوں میں صرف ایک حاصل کرے تو وہ بالکل ناکام رہے گا، کیونکہ ان دونوں کو حاصل کئے بغیر چارہ نہیں۔

علمِ ظاہری شریعت اور علمِ باطن حقیقت ہے۔ علمِ حقیقت کے تین ارکان ہیں،
(الف) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم، یعنی وہ ہر چیز کو جانتا، دیکھتا اور سُنتا ہے۔
(ب) خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم یعنی وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا ہے (ج) اللہ کی ذات کا علم۔ یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ پاک ہے اور بے عیب ہے اس کا کوئی مثل نہیں۔

اسی طرح علمِ شریعت کے بھی تین ارکان ہیں (الف) کتاب۔ (ب) سنّت۔ (ج) اور اجماعِ اُمّت۔

حضرت گنج بخش فرماتے ہیں کہ علم بغیر عمل کے ناقص اسی طرح عمل بغیر علم کے ناقص رہتا ہے۔ عارضی حجاب دور کرنے کے لئے سالک کو یہ ضروری ہے کہ وہ عالم باعمل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے عابد کو جو علم سے بے بہرہ ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گدھے سے تشبیہ دیتے تھے۔ آپ نے اپنی مایہ ناز تصنیف کا نام کشف المحجوب اس لئے تجویز کیا کہ ان کے نزدیک یہ کتاب تمام کدُورت بشری اور حجابات کو دُور کر کے اصل حقیقت آشکارا کرتی ہے۔ کشف المحجوب کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ یہ حجاب کو دُور کرنے والی ہے۔

حضرت ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ حجاب کی ۲ قسمیں ہیں (الف) حجاب رینی۔ (ب) حجابِ غینی۔ حجابِ رینی فطری حجاب ہوتا ہے جو دُور نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح پتھر کی یہ فطرت ہے کہ اس میں آر پار دکھائی نہیں دیتا اور اس کو آئینہ میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ بعینہ کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کا دینی حجاب دُور کرنا محال ہے ۔ پھر ان کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے!
" اللہ تعالیٰ نے ان کے دِلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے ۔ اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اس طرح وہ فطری طور پر حجاب میں پڑگئے ہیں "

حجاب غینی عارفی حجاب ہوتا ہے جس کو دُور کرنا قدرتِ انسان میں داخل ہوتا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ آئینہ کا خاصا ہے کہ اس میں سے انعکاس ہو لیکن اگر اس کے اوپر گردو غبار جم جائے تو اس میں سے دکھائی نہ دے گا ۔ اگر اس کا غبار دُور کر دیا جائے تو پھر مجلا ہو سکتا ہے بعینہ وہ نفوس جن کو نُورِ ہدایت بخشا گیا ہے ۔ اور جن کے دِل معصیت کی وجہ سے مکدّر ہو چکے ہیں وہ کسی رہبرِ کامل کے فیضِ صحبت سے دوبارہ روشن ہو سکتے ہیں ۔

علی ہجویری رح فرماتے ہیں کہ چونکہ انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اس لئے حجابِ ظلمت سے اس کا دوچار ہونا ناگزیر ہے ۔ لیکن جو لوگ راہِ حق میں دم مارتے ہیں ان کے لئے حجاب کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور وہ لیلائے حقیقت سے ہمکنار ہو کر حیاتِ سرمدی سے سرشار ہو جاتے ہیں ۔ کائنات کا ذرہ ذرہ جلوہ گاہِ احدیت ہے اور اس کی شان جلالی اور جمالی اس کی بے نیازی اور قدرت کے ذرہ ذرہ سے عیاں ہو رہی ہے ۔ مگر جوہر ، عرض ، اجرام اور اجسام وغیرہ سب اس کے لئے بمنزلہ حجاب کے ہیں اور محلّ توحید میں ان کا ثابت کرنا شرک ہے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا کو حجاب میں مستور کیا ہے ۔ یہاں تک کہ ہر طبیعت اپنے وجود کے باعث توحیدِ حق سے حجاب میں ہے ورنہ بقول عارف شیرازی رح عاشق و معشوق کے درمیان کوئی پردہ حائل ہی نہیں ؎

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز

حضرت علی ہجویری رح فرماتے ہیں کہ ارواح بھی وجود کی کدورت سے مکدّر ہو گئی ہے جب تک یہ تکدّر دور نہ ہو انسان اسرار و رموز و تجلّیات سے ہمکنار نہیں ہو سکتا ۔ علاوہ ازیں عقلِ انسانی بھی ایک بہت بڑا حجاب ہے ۔ چونکہ اسرارِ ربّانی کا احاطہ عقل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آنا محال ہے اس لئے عقل کو ذریعۂ معرفت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

آپ کا وُرودِ لاہور

آپ خواجہ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی کے مُرید تھے۔ ایک مدت تک آپ ان کی صحبت میں رہے اور ان کی توجہ سے رُوحانیت کے بہت سے مدارج طے کئے۔ جب مُرشد کو معلوم ہوگیا کہ مرید اب تکمیل کو پہنچ گیا ہے تو آپ نے ایک دن فرمایا کہ تم لاہور جاؤ وہاں تمہاری ضرورت ہے اور لوگ اس چشمہ کے منتظر ہیں اور اس سے سیراب ہونے کے متمنی ہیں جو تمہارے پند و نصائح سے اِس سرزمین میں جاری ہونے والا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ وہاں ہمارے پیر بھائی حسین زنجانی موجود ہیں ان کی موجودگی میں میری کیا ضرورت ہے۔ آپ کے مرشد نے فرمایا۔ تم کو چوں و چرا ایں و آں اور بحث مباحثہ سے کیا مطلب، بلا توقف جاؤ۔[1]

یہ حکم پاتے ہی حضرت علی ہجویریؒ پا پیادہ بغیر کسی ساز و سامان اور بغیر کسی اہتمام و انصرام کے صرف دو[2] ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ایک تو خواجہ احمد سرخسیؒ جو سرخس کے رہنے والے تھے اور دُوسرے ابو سعید ہجویریؒ جو آپ کے ہم وطن تھے۔

لاہور میں تشریف آوری

آپ ۴۳۱ھ میں سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کے آخری ایام میں لاہور پہنچے۔

اس وقت لاہور اور غزنی میں سیاسی ابتری پھیل رہی تھی۔ آپ نے لوگوں کو تسلّی دی اور مہاجرت سے روکا۔ جب آپ لاہور پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ شہر سے ایک جنازہ لے کر آ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ ہے۔ آپ ان کے جنازہ کے ساتھ اس مقام تک گئے جہاں اب موضع چاہ میراں آباد ہے اور جنازہ پڑھنے کے بعد وہیں ان کو دفن کر دیا۔ (فوائد الفواد)

آپ نے لاہور آ کر ایک مسجد بنوائی جس کا ذکر شاہزادہ دارا شکوہ نے

---

[1] فوائد الفواد ملفوظات حضرت نظام الدین اولیاؒ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی کیا ہے[1]۔ جس جگہ آپ کا مزار ہے یہ مسجد اس کے سمتِ مغرب واقع تھی۔ اور قریب قریب کے زمانہ تک قائم رہی۔ جب چودھری غلام رسول نے نئی مسجد بنوائی تو قدیم مسجد کو شہید کر دیا گیا اور نئی مسجد کے صحن میں قدیم مسجد کی جائے محراب کے نشان کو سنگِ مرمر کی ایک سِل کے ذریعہ قائم رکھا گیا۔

پہلا شخص جو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا وہ رائے راجو حاکم پنجاب کا نائب تھا۔ وہ حضرت کا مُرید ہو کر مسلمان ہو گیا۔ چونکہ یہ پہلا ہندو بلکہ ہندوستانی شخص تھا جو حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ اس لئے آپ نے اپنی دِلی خواہش سے اس کا نام شیخ ہندی رکھا۔ مجاور اور خدّام جن کا تعلق آپ کے روضۂ مبارک سے رہا ہے اسی شیخ ہندی کی اولاد سے ہیں۔

کشف المحجوب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ کے مُرشد شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی کا انتقال ہوا (۴۶۰ھ) تو اُن کا سر آپ کی آغوش میں تھا آپ اُس روز دمشق کے قریب ایک مقام بیت الحسن میں تھے آپ فرماتے ہیں کہ آپ کا سر میری گود میں تھا اُس وقت میرے دِل کو سخت پریشانی تھی۔ اس واقعہ سے بعض لوگوں نے یہ

---

[1] شہزادہ دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت نے یہ مسجد بنائی تو اور مسجدوں کی بہ نسبت اس کے قبلہ کا رُخ ذرا سا جنوبی سمت کو تھا۔ علماء لاہور نے اس پر اعتراض کیا۔ حضرت تو اعتراض سُن کر خاموش رہے۔ جب تعمیرِ مسجد سے فراغت پائی۔ تو آپ نے علماء و فضلاء کو بلایا اور خود امام بن کر اس میں نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد تمام حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض کرتے تھے اب دیکھو قبلہ کس طرف ہے۔ جب انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو یکبارگی قبلہ بالمشافہ بچشم ظاہر نظر آیا قبلہ کو سیدھے رُخ دیکھ کر سب معترضین نادم ہوئے اور آپ سے معذرت چاہی۔

علاوہ سفینۃ الاولیاء کے یہ واقعہ تاریخ الاولیاء میں بھی مذکور ہے ملاحظہ ہو صـ ۳۲۴ تاریخ الاولیاء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آپ دو بار لاہور تشریف لائے۔ جناب پروفیسر علم الدین سالک صاحب نے اپنے تحریر کردہ پمفلٹ میں اس بات کی پوری تائید کی ہے فرماتے ہیں "پہلی بار اپنے مُرشد کے حُکم سے آئے یہاں تبلیغ و اشاعت کے فریضہ میں مشغول رہے اور کچھ عرصہ بعد پھر واپس چلے گئے اور اپنے مُرشد کی وفات کے وقت وہ ان کی خدمت میں موجود تھے اور دُوسری بار مستقل قیام کی غرض سے۔ اس بات کی تائید خود کشف المحجوب سے بھی ہوتی ہے۔ آپ نے اسی کتاب میں دو مختلف مقامات پر ہندوستان کا ذکر اس طرح کیا ہے جیسے آپ نے اس مُلک کی سیاحت کی اور کتاب لکھتے وقت آپ اِس مُلک سے دُور بیٹھے ہوئے تھے"[1]

اس بیان کی تصدیق نہیں ہو سکی اوّل تو جناب پروفیسر سالک صاحب نے حوالے درج نہیں کئے۔ دوسرا یہ کہ اولیاء اللہ کے لئے رُوحانی طور پر نقلِ مکانی کرنا کوئی دُشوار بات نہیں۔ حاجی امداد اللہ مکیؒ اور دیگر اولیاء اللہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

شیخ اکرام لکھتے ہیں کہ "جب حضرت داتا گنج بخش پاکستان آئے اس وقت تصوّف اپنی تاریخ کے دوسرے دور میں تھا۔ منصور حلاجؒ۔ ذوالنون مصریؒ اور خواجہ بایزید بسطامیؒ نے تصوّف میں بعض نئی اور غیر اسلامی چیزیں داخل کر دی تھیں۔ لیکن ابھی زہد و اتقاء کو تصوّف میں نمایاں جگہ حاصل تھی، اور داتا صاحب تو شرع اور اصولِ دینی پر پوری طرح عامل تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے صُوفی فرقوں کا حال لکھا ہے۔ اس میں حسین فارسی (منصور حلاج) اور ابو سلمان کے حلولی فرقوں کو ملحد اور لعنتی کہا ہے فرماتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ "میں نہیں جانتا فارسی کون ہے اور ابو سلمان کون اور انہوں نے کیا کیا اور کیا کہا۔ جو شخص تحقیق اور توحید کے خلاف چلتا ہے۔ اس کو دین میں کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ اور جب دین جو اصل ہے مضبوط نہ ہو تو تصوّف جو اس کی شاخ ہے کس طرح مفید ہو سکتی ہے؟"

---

[1] حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخشؒ ص ۱۴ از پروفیسر علم الدین سالک۔ شائع کردہ انتظامیہ کمیٹی دربار داتا گنج بخش (سن ندارد ہے) قیاس ہے ۱۹۶۴ء میں لکھا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داتا گنج بخش کئی کتابوں کے مصنف تھے ۔ مثلاً کشف المحجوب، کشف الاسرار، منہاج الدین، البیان لاہل العیان ۔ یہ کتابیں اس وقت لکھی گئیں جب تصوف کی مشہور کتابیں مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف اور ابن عربی کی فصوص الحکم ابھی نہیں لکھی گئی تھیں اور تصوف کی موجودہ تدوین جس نے بعض باتوں میں اسے شرعِ اسلامی سے ایک مختلف نظام بنا دیا ہے، نہ ہوئی تھی[1]

چونتیس ۳۴ سال تک آپ لاہور میں قیام فرما رہے ۔ اس عرصہ میں آپ کی ظاہری و باطنی برکات سے لاکھوں آدمی فیضیاب ہوئے اور ہزارہا بندگانِ خدا جو جہالت اور بے علمی کی وجہ سے بُت پرستی میں مصروف تھے وحدانیت کے سایہ میں آئے ۔ شیخ اکرام صاحب نے حضرت داتا گنج بخش کا سنِ ولادت ۱۰۰۹ء اور وفات ۱۰۷۲ء لکھی ہے لیکن لاہور میں آنے کی تاریخ نہیں لکھی ۔ کشف الاسرار کے اُردو ترجمہ میں آپ کے ورودِ لاہور کا سن ۴۱۶ھ مطابق ۱۰۲۵ء درج ہے ۔ یہ زمانہ سلطان محمود سبکتگین کا تھا ۔ لاہور کے لوگ علم و تہذیب سے عاری تھے چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں " میری کتابیں غزنی میں تھیں اور میں ہندوستان کے شہر لاہور میں ناجینوں کے درمیان گرفتار تھا "۔ معلوم ہوتا ہے کہ "آبِ کوثر" کے مصنف شیخ اکرام صاحب نے آپ کا جو سنِ ولادت تحریر کیا ہے وہ درست نہیں کیونکہ اگر آپ کا ورود لاہور میں ۱۰۲۵ء تسلیم کریں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ جب آپ لاہور تشریف لائے آپ کی عمر ۱۶ برس تھی جو بعید از قیاس ہے ۔ اگرچہ آپ کے سنِ وفات میں بھی کچھ اختلاف ہے مگر غالب رائے یہی ہے کہ آپ کا سنِ وصال ۴۶۵ھ ہے ۔ چنانچہ مزار مبارک کے اندرونی دروازے پر بھی جو قطعہ تاریخ درج ہے اس میں " سالِ وصالش بر آید از سردار " (۴۶۵ھ) لکھا ہے ۔

مزار کی اندرونی ڈیوڑھی پر جس کی مینا کاری کا کام اب بھی اس کی قدامت اور مٹی ہوئی شان و شوکت کو ظاہر کر دیا ہے حسب ذیل قطعہ سنگِ مرمر پر لکھا ہوا ہے ؎

---

[1] آبِ کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرام ص ۷۷ مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایں روضہ کہ بانیش شدہ فیضِ الست مخدوم علی راست کہ باحق پیوست
در ہستی ہست نیست شد ہستی یافت زاں سالِ وصالش افضل آید از ہست
۴۶۵ھ

صحن مزار اور مسجد کا جو دروازہ ہے اس پر یہ قطعہ لکھا ہوا ہے ؎

خانقاہِ علی ہجویری ست خاکِ جاروب ازدرش بردار
طوطیا کُن بدیدۂ حق بیں تا شوی واقفِ درِ اسرار
چونکہ سردار ملکِ معنی بود سالِ وصلش برآید از سردار
۴۶۵ھ

یہ دونوں قطعات نہایت ہی قدیم ہیں ۔ صاحبِ قطعہ نے اپنا نام نہیں لکھا ۔ سید محمد لطیف نے لکھا ہے کہ پہلا قطعہ مولانا جامی کی تصنیف سے ہے[1] ۔ مگر خود مولانا جامیؒ نے اپنی تصنیف نفحات الانس میں حضرت علی ہجویریؒ کا ذکر کرتے ہوئے اس قطعہ کو درج نہیں فرمایا ۔

گنبد کے شرقی جانب یہ اشعار ملتے ہیں ؎

واہ ایں گنبدِ فلکِ ثانی کہ بجاروبِ اُو ملایک و حُور
ایستادہ بگیسوئے مشکیں از پئے عطر یافتند سرور
سالِ ایں گنبدِ مجسر نو از چراغِ جمال یافت ظہور
۱۲۷۸ A-H

"چراغِ جمال" سے اس تعمیر کا سن $\frac{۱۲۷۸}{۱۸۶۱ء}$ نکلتا ہے ۔

اگلی محراب پر یہ شعر کندہ ہے ؎

ہمیشہ باد خدایا کشادہ ایں درگاہ
بحق اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

مزارِ مقدس کے ارد گرد شیش محل بھی تھا جو مغلیہ عہد تک رہا بعد میں تاراج ہو گیا ۔

---

[1] ہسٹری آف لاہور مصنفہ سید محمد لطیف سشن جج لاہور ص ۱۸۱ سنہ ۵۷-۱۹۵۶ء سن طبع ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ سید محمد لطیف رقم طراز ہیں :-

The quarters adjoning the mausolence of Data Ganj Bakhsh are still known as Shish Mahal, from the place of mirrors which exhisted here in the time of the Mohammedan emperors.

خانقاہ پر بادشاہوں کی حاضری

سلطان ابراہیم غزنوی جو سلطان محمود غزنوی کا برادرزادہ اور سلطان مسعود کا بیٹا تھا، جب لاہور پہنچا تو حضرت علی ہجویری کے مزار پر بھی حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت کی وفات کو صرف آٹھ برس ہوئے تھے۔ اس نے آتے ہی مزار کی تعمیر کا حکم دیا۔ اگرچہ امتدادِ زمانہ سے مزارِ اقدس کی عمارت میں کافی تبدیلیاں آچکی ہیں لیکن چبوترہ اور لوحِ مزار سلطان ابراہیم کے زمانہ کا ہے۔ تعویذ مزار ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ سلطان ابراہیم کے بعد اس کے جانشین یکے بعد دیگرے حضرت کے مزار پر آتے رہے اور نذرِ عقیدت پیش کرتے رہے۔ اس کے بعد خاندانِ غوری، خاندانِ غلاماں، خاندانِ مغلیہ وغیرہ سے جتنے بادشاہ لاہور آئے نذرِ عقیدت پیش کرتے رہے۔ کتبِ تواریخ سے اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، عالمگیر اور شاہزادہ دارا شکوہ کا یہاں آنا ثابت ہے۔ یہاں تک کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی اس مزار کا بہت ادب ملحوظ رکھتا تھا۔

بادشاہوں اور شہنشاہوں کے علاوہ لاہور کے مقامی حکام یعنی ناظم اور صوبیدار وغیرہ سب کو اس آستانہ سے عقیدت تھی۔

اس مزار پر کچھ قلمی قرآن بھی ہیں جو صدہا سال سے چلے آرہے ہیں، اس وقت

History of Lahore by S.M. Latif P. 181
Published by Syed M. Minlaj-ud-Din (grand son of the author).

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہیں۔ بعض تذکرہ نویس چار بڑے قرآنوں کا پتہ دیتے ہیں جن کا الگ ایک ایک سیپارہ ہے۔ ایک قرآن شریف نظام حیدرآباد دکن کا نذر کردہ ہے۔ یہ قرآن شریف ۱۱۳۷ھ میں مزار حضرت علی ہجویریؒ کے خدام یا مجاور کی تولیت میں دیا گیا جیساکہ ہر سیپارہ کی آخری تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔

دُوسرا قرآن شریف موراں طوائف محبوبہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۲۵۱ھ میں نذر کیا تھا۔ تیسرا قرآن محمد خاں چٹھہ احمد نگر ضلع گجرانوالا نے نذر کیا۔ چوتھا قرآن امیر بخش کی طرف سے ہدیہ ہے جس کی زیادہ کیفیت معلوم نہیں ہوسکی۔ ان بڑے قرآن شریف کے نسخوں کے علاوہ ایک اور قرآن بھی ہے۔ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پشاور کی فتح کے بعد وہاں سے حاصل کیا تھا اور دربار حضرت داتا صاحب میں بطور نذر چڑھایا تھا۔ دوسرا شیخ غلام محی الدین صوبیدار کشمیر کا نذر کردہ ہے جو اس نے کشمیر سے یہاں بھجوایا تھا۔ تیسرا میاں کشمیری سوداگر پشمینہ امرت سر کا نذر کیا ہوا ہے اور چوتھا میاں غلام یٰسین خوشنویس لاہور کا نذر کردہ ہے۔ ایک قرآن شریف بہاری خط میں ہے جو نواب ملتان نے نذر کیا تھا۔ ایک اور ہے جو بخطِ ثلث ہے اور بہت قدیم ہے۔

مسجد { یہ مسجد وہی ہے جو حضرتؒ کے زمانہ میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ مسجد کی ظاہری ہیئت وقتاً فوقتاً بدلتی رہی ہے لیکن جگہ وہی ہے جہاں حضرت نے اپنی زندگی میں مسجد تعمیر کی تھی۔ مسجد کی موجودہ تعمیر چودھری غلام رسول ٹھیکیدار نے کرائی تھی جس پر کم و بیش ایک لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ اس مسجد کے پانچ گنبد ہیں اور اندر گلکاری کا بہت زیادہ کام کیا گیا ہے۔ مسجد کا صحن کشادہ ہے۔ دربار حضرت گنج بخش کے صحن کی توسیع کی وجہ سے نمازیوں کے لئے مزید گنجائش پیدا ہوگئی ہے۔ یہ تجویز بھی ہے کہ مغرب کی جانب اس مسجد کی مزید توسیع کی جائے بعض مخیر حضرات اس کے لئے اپنے مکانات دینے کے لئے تیار بھی ہوگئے ہیں۔ تین برس گزرے کہ مسجد کے حوض کے پاس مسجد کا مینار ہوا کی تندی سے گر گیا۔ یہ عُرس کا موقع تھا، بعض لوگ اس انہدام کی وجہ سے شہید ہوگئے۔ مندرجہ ذیل قطعہ علامہ اقبال نے لکھا تھا جو باہر کے دروازے پر نصب ہے ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سالِ بنائے حرم مؤمناں خواہ زجبریل وزہاتف مجو
چشم بہ المسجد الاقصیٰ فگن الذی بارکنا ہم بگو
۱۳ ھ ۴۰

حجرۂ اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ۵۸۰ھ کے قریب ہندوستان میں تشریف لائے اور حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر ایک عرصہ تک معتکف اور چلہ کش رہے آپ کا حجرہ مسجد کے بالمشافہ ایک گز کے فاصلہ پر ہے۔ اِس حجرہ کی عمارت اکبر بادشاہ کے حکم سے تیار ہوئی تھی۔ اب سنگِ مرمر کے پتھر پر حسب ذیل عبارت تحریر ہے:۔

"حجرۂ اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ"

حجرہ کے اندر سفید اور سیاہ پتھر کا خوبصورت فرش ہے جس کو خان بہادر میاں محمد بخش مرحوم ٹھیکیدار نے بنوایا تھا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پُرانوار میں گنبد کے نیچے دائیں اور بائیں حضرت کے مجاہد ہمراہیوں خواجہ احمد سرخسی اور ابوسعید ہجویری کی قبریں ہیں۔

مسجد کے مشرق کی طرف حجرۂ اعتکاف کے سامنے ایک چھوٹی سی پختہ قبر مسجد کی سیڑھیوں کے ساتھ ہے، جو سب سے پہلے مجاور شیخ ہندی کی تیرھویں پشت کے ایک مجاہد شیخ سلیمان کی ہے۔ اس قبر کی نسبت تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں بنی تھی۔ حضرت کے روضہ کے سامنے اور مشرق کی جانب مجاوران کی قبریں ہیں، انہی میں ایک قبر سب سے پہلے مجاور شیخ ہندی کی بھی بیان کی جاتی ہے۔

خان بہادر میاں محمد بخش مرحوم نے احاطۂ مزار میں عالیشان کمرے بنوائے تھے، مندرجہ ذیل اشعار بطور قطعہ اس عمارت کے مشرقی دروازہ کے اوپر سنگِ مرمر پر کندہ ہیں:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡوَقۡفُ لِوَجۡہِ الۡکَرِیۡم

زخاں صاحب محمد بخش نامی — کہ مشرب قادری دارد عظامی
بنا شد ایں عمارت بہر مولا — بطیب روح مخدوم علیؒ را
یکے آرام خلق عام آراست — ازیں وقفے رفاہِ عام درخواست
خلیقا سالِ تاریخش چہ جوئی — ززادِ آخرت حقّا بگوئی

۲۸ ۱۳ ھ

سنہ ۱۸۳۳ھ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مزار مقدس کی مرمّت کرائی تھی اور نئی چھت ڈلوائی تھی۔ حضرت کا مزار سفید سنگ مرمر کے چبوترے پر واقع ہے۔ مقبرہ عالیہ پر ہمیشہ ایک غلاف پڑا رہتا ہے۔ آپ کے تعویذ کے گرد ایک پنجرہ چوبی ہشت پہلو تھا جو اب نہیں، جس کو میاں عرض خاں فیلبان مہاراجہ رنجیت نے سنہ ۱۲۴۰ھ میں بنوایا تھا۔
جس طرح پہلے مسجد کے اُوپر گنبد نہیں تھا اسی طرح مزار بھی گنبد سے خالی تھا۔ مگر سنہ ۱۲۷۸ھ میں حاجی نُور محمد سادھو (کشمیری) نے مزار پر ایک مدوّر گنبد نہایت خوبصورت بنوایا۔ روضہ کے گرد ہشت پہلو آئینے تھے جو خان بہادر ڈاکٹر محمد حسین صاحب مرحوم کی عقیدت مندی کا نتیجہ تھے۔

روضۂ اطہر رسولِ کریمؐ کا نقشہ جو پیتل پر کھود کر تیّار کیا گیا ہے اور بہت سے گلکاری کا کام اس پر مستزاد ہے۔ ماسٹر خیر دین قلمکار کی چابک دستی کا ایک بہت اعلیٰ نمونہ ہے یہ نقشہ سنہ ۱۹۳۸ء میں لگوایا گیا تھا۔ آج کل یہ مسجد میں لگ رہا ہے۔
حضرت کے چبوترہ کے گرد کٹہرے پر نواب غلام محبوب سبحانی نے چاندی لگوائی تھی جو اب نہیں ہے۔ بلّور کا ایک جھاڑ بھی قبر کے تعویذ کے کچھ اُوپر لٹک رہا ہے جو خان بہادر شیخ نصیر الدین کا عطا کیا ہوا ہے۔ روضہ کا گنبد ہشت پہلو بیضوی شکل کا ہے۔

نوٹ:- فیروز الدین گورنر کشمیر، شیخ نصیر الدین اور نواب غلام محبوب سبحانی ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج کل اس کا رنگ سبز ہے دروازہ کے اُوپر یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

گنبد کے ہر پہلو پر فارسی اشعار کا ایک ایک شعر منشی عبدالمجید پرویں رقم کی شوخیٔ تحریر کا ایک پاکیزہ نمونہ ہے۔ مزار کے بالمقابل جو دالان ہے جس میں ختم پڑھا جاتا ہے اس کی دیوار پر جو اشعار ہیں وہ حافظ محمد یوسف اور تاج زریں رقم کے لکھے ہوئے ہیں۔ اشعار حسب ذیل ہیں ؎

برآستانِ تو ہر کس رسید مطلب یافت — روا مدار کہ من نا اُمید برگردم

؎ برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود — سالہا سجدہ گہ صاحب نظراں خواہد بود

؎ ابوبکر ہم چو کعبہ عمر در طوافِ اُو — عثمان آبِ زمزم علی حِجِ اکبر است

؎ چہ حسنت آنکہ در یکدم رخت راصد نظر بینم
ہنوزم آرزو باشد کہ یکبار دگر بینم

؎ جائیکہ زاہداں ھزار اربعین رسند
مستِ شرابِ عشق بیک آہ میرسند

حضرت کے سرہانے ایک چھوٹا سا حوض ہے جس میں پانی بھرا رہتا ہے۔ لوگ اسے متبرک سمجھ کر پیتے ہیں۔ ایک دو سال ہوئے اس میں چھوٹی چھوٹی ٹلکیاں لگا دی گئی ہیں تاکہ پانی ہاتھ لگانے سے خراب نہ ہو۔ مزار مقدس کی تعمیر سکھوں کے زمانہ میں ہوئی چنانچہ موراں طوائف مہر نشاں طوائف (یہ نام غالباً مہر النساء ہو گا) اور نواب شیخ امام الدین صوبہ کشمیر نے روضہ کی سفیدی اور مرمت پر بہت خرچ کیا۔ جس دالان میں قرآن شریف رکھے جاتے ہیں وہ بھائی ہیرا مصاحب کنور نونہال سنگھ نے بنوایا تھا بعد میں رانی جنداں والدہ مہاراجہ دلیپ سنگھ نے اس کو اور کشادہ کرا دیا۔ اس کے بعد دختر فیروزالدین نے ۱۳۳۶ھ میں از سر نو اس کو تعمیر کرایا۔ چنانچہ برآمدے کی پیشانی پر حسب ذیل کتبہ لگا ہوا ہے ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دُخترِ فیروزالدین ادنیٰ کنیز گنج بخش
بہرِ سعادت قسمتِ اُو گشتہ از روزِ ازل
کرد تعمیرِ ایں بنا از ہاتفے آمد ندا
پاک چوں بیت الحرم ایں حجرۂ علم و عمل
۱۳۳۶ھ

ڈیوڑھی بیرونی ڈیوڑھی میاں غلام حسین ولد حاجی غلام حسن مرحوم نے ۱۹۰۵ء میں بنوائی تھی، ڈیوڑھی کا فرش جو پہلے خشتی تھا ۱۹۳۸ء میں عبدالمنان مالک پیراماؤنٹ ٹاکیز بھاٹی گیٹ نے سنگِ مرمر کا لگوایا جو حضرت کے روضہ تک جاتا تھا لیکن حال ہی میں محکمہ اوقاف نے جو ضروری تعمیریں کی ہیں اس کی وجہ سے بیرونی ڈیوڑھی صحن میں آگئی ہے۔

مندرجہ ذیل شعر جو زبان زدِ خلائق ہوگیا ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کی زبانِ مبارک سے نکلا تھا جب وہ اعتکاف ختم کرکے رخصت ہونے لگے تھے ؎

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خُدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

ان کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر رح ۶۰۰ھ میں لاہور تشریف لائے۔
حضرت خواجہ معین الدین چشتی آپ کے دادا پیر تھے، آپ نے وہاں چلّہ کشی کرنا مناسب نہ سمجھا اور از راہِ ادب قبر کی پائنتی کی طرف ایک ٹیلے پر اپنی نشست مُقرر کی یہ جگہ ضلع کچہری کے مغرب کی طرف واقع ہے آپ کے قیام کی وجہ سے اس جگہ کا نام فرید آستانہ یا ٹبہ بابا فرید مشہور ہوگیا ہے۔ یہ جگہ اب تقریباً منہدم ہوچکی ہے تاہم ہر سال یہاں میلہ لگتا ہے۔

لال حسین اور شیخ حسّو شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں لاہور کے قطب المشائخ ہو گزرے ہیں۔ دونوں نے حضرت داتا گنج بخش رح کے مزار سے رُوحانی فیض حاصل کیا۔ اسی طرح شاہزادہ دارا شکوہ بھی یہاں مُعتکف رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چونکہ مزار اور اس کی آمدنی کا انتظام محکمہ اوقاف کے ذمہ ہے اس لئے مجاور حضرات کا اب دخل نہیں۔ ان میں سے بعض مخیر حضرات مسجد کی توسیع کے لئے اپنی قیامگاہیں پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے یہ منصوبہ جلد پورا ہو جائے گا۔

ذیل میں حضرت رح کا منظوم شجرہ طیبہ نقل کیا جاتا ہے جو کشف الاسرار کے ترجمہ کے آخر میں دیا گیا ہے۔

شجرہ طیبہ شیخ علی ہجویری رح این است

علی ہجویری آں پیرِ ولایت　　زدستِ شیخ ابوالفضل ہدایت
ابوالفضل از علی حصری گرفتہ　　بدست خدمت اسرار نہفتہ
علی حصری بوے اسرار کلی　　رسید از خدمتِ بوبکر شبلی
بہ شبلی از جنید آمد عطائے　　کہ در عالم شدہ اُو رہنمائے
جنید از سری و سقطی بپوشید　　لباس پارسائی راچہ خوش دید
سری سقطی از معروف خرقہ　　بہ بر پوشید و شد والی فرقہ
شدہ معروف از داود طائی　　چراغِ خانقاہِ پارسائی
بداؤد از حبیب آں فتحیاب است　　حبیب آں کز حسنِ اُو کامیاب است
حسن بصری رح مریدِ مرتضٰے بود
علی رض را پیرِ کامل مصطفٰے ص بود

(اشتہار)
ماہنامہ تجلی دیوبند
کا
خاص نمبر ۶۷ء
خاص الخاص مضامین
معلومات کا خزانہ
دلچسپیوں کا مرقع
دسمبر ۶۷ء میں نہایت آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے
قیمت :- تین روپے۔ محصول ڈاک۔ ایک روپیہ
سالانہ :- دس روپے
سالانہ خریداروں کو مفت
منی آرڈر کا پتہ :- منیجر تجلی دیوبند (یوپی)

© rasailojaraid.com